فرشِ عزا اداس ہے منبر خموش ہے
ہاتھوں سے اپنے اسکو سلایا ہے قبر میں

مداحِ ابنِ ساقیِ کوثر نہیں رہا
پھر بھی یقین نہیں ہے کہ ساغر نہیں رہا

ناظم جعفری

آہ سیّد ساغر مہدی

۱۴۰۱ھ

(م۔ن۔خیالی)

پیدائش
۱۹۳۶ء

وفات
۲۰ دسمبر ۱۹۸۰ء مطابق ۱۱ صفر ۱۴۰۱ھ
بروز سنیچر ۱۰ بجے شب

پیش کردہ
سیّد ناظم جعفری

من جانب
انٹرنیشنل حسینی مشن۔ دُلدُل ہاؤس، ناظر پورہ۔ بہرائچ

قطعات

واصف فاروقی

اک کرب اک گھٹن میں رہا جو تمام عمر
اور دوسرے دل کو جینے کا پیغام دے گیا
وہ آفتاب ڈوب کے بحرِ سکوت میں
اربابِ دل کو درد بھری شام دے گیا

مشتاق لکھنوی

مستِ ولائے آلِ پیمبرؐ یہیں کہیں
سرور کی بزمِ غم کا سخنور یہیں کہیں
بحرِ غمِ حسین سے جو فیضیاب تھا
سنتا ہوں وہ چھلک گیا ساغر یہیں کہیں

کوثر نگروری

بزمِ ہستی سے اٹھے لو گئے ساغر مہدی
پی کے صہبائے اجل سو گئے ساغر مہدی
دل نے کوثر یہ کہا مصرعِ "تاریخ وفات"
ہائے جنت کے مکیں ہو گئے ساغر مہدی

۱۹۸۰

تمھیں تو مل گئی ساغر حقیقی دادِ کلام
سلام ہو گیا مقبول بارگاہِ امام
گئے جہاں سے تو ذکرِ حسینؑ کرتے ہوئے
تمہاری موت کو کرتی ہے اب حیات سلام

خورشید جائسی

مصروفِ ذکرِ سبطِ نبی تھے کہ ناگہاں
ساغر جناں میں نزدِ رسولِؐ امیں گئے
خورشید قلبِ بن سے لکھ لوحِ قبر پر
فرشِ عزائے شاہ سے خلدِ بریں گئے

۱۹۸۰ء

منبر پہ مدحِ آلِ نبی کا تھا مشغلہ
آیا جو غش تو جانبِ شاہِ امم گئے
ساغر کے ارتحال پہ لکھ از سرِ یقیں
فرشِ عزائے شاہ سے سوئے ارم گئے

۱۴۰۱ھ

آہ ساغر مہدی

— نعمت بھرائچی

قلب پر چوٹ لگی آنکھ سے آنسو برسے
ہم بھری بزم میں محروم ہوئے ساغر سے

غم کا طوفان اٹھا تابِ شکیبائی کہاں — نغمۂ درد ہے اب نغمۂ شہنائی کہاں
شورِ ماتم ہے بپا زمزمہ آرائی کہاں — رات بھر آنکھ ستاروں نے بھی جھپکائی کہاں

دلنوازی کی ادا بھول گئی بادِ صبا
ہائے تخئیل کے ہونٹوں پہ تبسم نہ کھلا

غالبِ شہر جو تھے، صاحبِ ادراک و ہنر — معترفِ حسنِ بصیرت کے تھے سب اہلِ نظر
آج بھی فکر کے ماحول پہ چھایا ہے اثر — یعنی تھے بحرِ معانی کے شناور ساغر

ایسے کم لوگ زمانے میں ہوا کرتے ہیں
بعدِ مردن جنھیں سب یاد کیا کرتے ہیں

آہ ساغر مہدی

— آذر بارہ بنکوی

درست ہی سہی لیکن کریگا کون یقیں — دیارِ موت میں گم اور صداقتوں کا امیں؟
سیاہ پوش ہیں سب ساکنانِ شہرِ ادب — ترے قدم کو ترستی ہے اب غزل کی زمیں
جمالِ فکر سے تخلیق ہو گئی محروم — عرق عرق ترے غم میں عروسِ فن کی جبیں
ہر ایک کو نہیں ملتا ترا لب و لہجہ — حسیں خیال بھی، پیرایۂ بیاں بھی حسیں
یہاں جلائے گا اب کون علم کی شمعیں — دیارِ موت میں فن ہو چکا ہے گوشہ نشیں

لیا ہے تو نے عجب انتقام اے ساغر
کہ میہمان ہے موجود، میزبان نہیں

خورشید جائسی

مدح خوانِ پنجتن سوئے جناں جاتا رہا
اس جہاں سے شاعرِ شیریں بیاں جاتا رہا

آہ اب وجہ بہارِ گلستاں جاتا رہا
گل فشانی جس کی تھی سب پر عیاں جاتا رہا

مرثیہ خواں ، ذاکر و مداح آلِ مصطفیٰ
جس کی رحلت پر ہیں سب ماتم کناں جاتا رہا

حُبِّ اہلبیت سے سرشار جس کا قلب تھا
جس نے پائی ہے حیاتِ جاوداں جاتا رہا

کیوں نہ ہوں افرادِ ملت اشکبار و دلفگار
سوئے جنت یادگارِ رفتگاں جاتا رہا

اپنے بیگانے سبھی ہیں جس کے غم میں سوگوار
گلستاں سے وہ بہارِ گلستاں جاتا رہا

آفتابِ آسمانِ شاعری تھا جو ادیب
ارضِ بہرائچ کا وہ روحِ رواں جاتا رہا

سبطِ احمد ہند میں تھے مومنوں کے میہماں
میزبانی کرتے کرتے میزباں جاتا رہا

سالِ رحلت کے لئے خورشید ہجری میں لکھو
عاشقِ مہماں اب سوئے جناں جاتا رہا
۱۴۰۱ھ

یاور حسین یاور

بزمِ سخن سے میرا سخنور چلا گیا
علم و ادب کا چھوڑ کے دفتر چلا گیا

گلشن میں شاعری کے مہک کر چلا گیا
شعر و سخن کا آہ گلِ تر چلا گیا

ساغر چلا گیا مرا ساغر چلا گیا
لبریز جب ہوا تو چھلک کر چلا گیا

پیاسا تھا دارِ فانی میں شاید وہ اس لئے
پڑھتا سلام جانبِ کوثر چلا گیا

بزمِ عزا اداس ہے ، سب اشکبار ہیں
منبر سے اُٹھ کے آہ سخنور چلا گیا

اب اسکو جائیں ڈھونڈنے کس سمت دوستو
ہم اُس کے گھر گئے تو وہ باہر چلا گیا

یاور جناں میں پائی جگہ خوش نصیب نے
ہم سب کو تشنہ چھوڑ کے ساغر چلا گیا